

امریکی تعلقات میں توازن قائم کیجئے!

رچڑا اوسن امریکہ کے حد درجہ مبنی ہوئے سفیر تھے۔ پوری زندگی سفارت کاری سے مسلک رہے۔ پاکستان اور متحده عرب امارات میں بھی بطور امریکی سفیر کام کرتے رہے۔ باراک اوباما سے انکا ذاتی تعلق تھا۔ مقتدر حلقوں انہیں واٹس ہاؤس کے بہت قریب گردانتے تھے۔ اہم فیصلہ سازی میں ان کی مشاورت شامل ہوتی تھی۔ ریٹائرمنٹ نزدیک آ رہی تھی۔ 2015ء کے اوائل میں اپنی مدت ملازمت پوری کرنے کے بعد رچڑا اوسن کو گھر جانا تھا۔ اسی اثناء میں اس کی ملاقات ایک پاکستانی تاجر سے ہوئی۔ اس کا رو باری شخص کا قطر کے شاہی خاندان سے بہت نزدیکی تعلق تھا۔ پاکستانی تاجر نے اوسن کو کہا کہ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ قطری حکومت کے امریکہ سے تعلقات بہتر کروائے۔ دوسرے لفظوں میں اسے قطر کے لئے لابنگ کرنے کا کہا گیا۔ اوسن ریٹائر ہو چکا تھا۔ پاکستانی تاجر کے کہنے پر واشنگٹن سے لندن آیا۔ یہ 2015ء کا سال تھا۔ لندن آنے اور مہنگے ہوٹل میں ٹھہرنا کے اخراجات انہیں ہزار ڈالر تھے۔ یہ تمام پیسے اسی پاکستانی شخصیت نے فراہم کئے۔ لندن میں اوسن کی ملاقات، بحرین کی ایک کمپنی کے مالک سے ہوئی۔ جس نے اسے تین لاکھ ڈالر سالانہ کی نوکری کرنے کی دعوت دی۔ کام وہی کہ قطری حکومت کے مفادات کا تحفظ کرے گا۔ اوسن نے یہ نوکری بھی بھی نہیں کی۔ آپ کو یاد کرواتا چلوں کہ سعودی عرب اور متحده عرب امارات نے قطر کے ساتھ تمام تجارتی اور سفارتی تعلقات منقطع کر لئے تھے۔ قطر پوری عرب دنیا میں بہت حد تک تھائی کاشکار ہو چکا تھا۔ اوسن نے قطر میں امریکی سفیر کو فون کیا جو اس کا قریبی دوست تھا۔ اسے کہا کہ وہ امریکی حکومت کے ساتھ قطر کے معاملات کو بہتر بنائے۔ اس نے واشنگٹن میں بھی طاقتوں سفارتی حلقوں میں بھی قطر کی حمایت میں آواز اٹھائی۔ اوسن نے امریکی وزارت خارجہ کو یہ بھی درخواست کی کہ قطر میں امریکی ایمگریشن کی باقاعدہ اجازت دی جائے۔ ان تمام معاملات میں کوئی بھی امر غیر قانونی نہیں تھا۔ بلکہ اوسن نے قطر کے ساتھ کسی قسم کا کوئی معائدہ کیا ہی نہیں تھا۔ نہ ہی اس نے کسی بھی شخص سے کسی قسم کے کوئی پیسے لئے تھے۔ مگر اوسن ایک بہت بڑی غلطی کر چکا تھا۔ امریکی قانون کے مطابق سفیر ریٹائرمنٹ کے ایک برس بعد تک کسی بھی بیرونی حکومت یا ادارے کے لئے کام نہیں کر سکتا۔ اوسن نے یہ تمام کام بلاشبہ ریٹائرمنٹ کے بعد کیا مگر اس نے ایک برس کی مدت کا خیال نہیں رکھا تھا۔ معاملہ شاملاً اسی طرح چلتا رہتا۔ مگر ایک امریکی اخبار نے اوسن کی اس قانونی بے قاعدگی کے متعلق تحقیقاتی رپورٹ شائع کر دی۔ جرم تھا کہ اس نے ایک پاکستانی تاجر کے پیسوں سے امریکہ سے لندن کا سفر کیا۔ انہی پیسوں سے ہوٹل میں قیام کیا اور اسے اخلاقی اور قانونی طور پر یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ایک برس کی پابندی والے قانون کو بھی مد نظر نہیں رکھا گیا۔ یاد رہے کہ یہ سب کچھ اوسن نے ریٹائرمنٹ کے بعد کیا تھا۔ اس غیر قانونی طرز عمل پر امریکی حکومتی حلقوں میں کہرا میچ گیا۔ بدستی سے اوسن نے اپنے سالانہ گوشواروں میں یہ ذکر نہیں کیا تھا کہ اس نے پاکستانی تاجر کے انہیں ہزار ڈالروں سے ایک پرتعیش سفر کیا تھا۔ امریکی حکومت نے قواعد و ضوابط کی خلاف

ورزی پر اوسن کے خلاف عدالت میں مقدمہ کر دیا۔ الزامات بالکل سادہ سے تھے۔ اس نے حکومتی اصولوں کی خلاف ورزی کی ہے اور یہ بہت بڑا جرم ہے۔ اوسن نے چند دن پہلے عدالت میں مقدمہ میں انعام قبول کر لیا۔ بر ملا کہا کہ اس سے غلطی ہو گئی ہے۔ نج نے اس کے مقدمہ میں کہا کہ ایک امریکی سفارت کار کا یہ روایہ غفلت ہی نہیں بلکہ سنگین جرم کے زمرے میں آتا ہے۔ اقبال جرم کرنے کے بعد بھی اوسن کے وکلاء کا یہ خیال ہے کہ اسے سزا سنائی جائے گی۔ اور اسے جیل بھی بھیجا جا سکتا ہے۔ یہ صورت حال صرف پچھلے ہفتے کی ہے۔

یہ پورا واقعہ لکھتے ہوئے مجھے عجیب سا افسوس ہو رہا ہے۔ وجہ یہ کہ ہمارے ہاں امریکی دشمنی کو بطور سیاسی نعرہ لگانے کا عاموی رواج ہے۔ امریکہ کے متعلق مذہبی جماعتوں سے لے کر، وطن پرست سیاست دانوں تک، سب امریکہ کے تعلقات پر کسی نہ کسی منفی بیانیہ کو اپنا اولین فرض سمجھتے ہیں۔ مگر کوئی بھی فرد یا سیاسی جماعت یا ادارہ یہ بات کہنے کی جرأت نہیں رکھتا کہ امریکہ اپنے قائدین، اہم لوگوں، سرکاری عمال اور اکابرین پر حد درجہ کڑی نظر رکھتا ہے۔ اس کے سیاست دان واقعی ایک ڈالر کی کرپشن کرنے کا تصور نہیں کر سکتے۔ انہیں پتہ ہے کہ اگر ان کی معمولی سی بھی غیر قانونی یا غیر اخلاقی حرکت کا کسی بھی حکومت یا غیر حکومتی ادارے کو علم ہو گیا، تو وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں گے۔ ان کے خلاف سخت قانونی کارروائی ہو گی اور پھر بدنامی اور بے عزتی کا سیاہ داغ ماتھے پر مرتبہ دم تک قائم و دائم رہے گا۔ امریکی صدر دنیا کا سب سے طاقتور شخص گردانا جاتا ہے۔ مگر وہ اور اس کا خاندان، سرکاری جہاز یا سرکاری گاڑی کے بے جا استعمال کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔ باراک ابامہ کی بیٹی واٹ ہاؤس میں اپنے والد کے ساتھ رہتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک ریسٹورٹ میں بطور ویٹر کام بھی کرتی تھی۔ اندازہ لگائیے کہ وہ لڑکی واٹ ہاؤس سے باہر نکل کر عام بس میں سفر کرتی تھی۔ دو بیس بدل کر اپنے ریسٹورٹ پہنچتی تھی۔ شام کا کام ختم کرنے کے بعد وہ پھر بس میں بیٹھ کر واٹ ہاؤس واپس آتی تھی۔ ذرا سوچئے، کیا امریکی صدر اسے ایک معمولی سی سرکاری گاڑی کی سہولت مہیا نہیں کر سکتا تھا۔ نہیں صاحب نہیں۔ باراک ابامہ اسے سرکاری سطح پر گاڑی تو کیا، ایک موڑ سائیکل کی سہولت تک مہیا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ صاحبان۔ یہ وہ کڑا اخلاقی اور قانونی شکنجہ ہے جس کی بدولت امریکہ نیا کی واحد سپر پاور ہے اور ابھی کافی عرصہ تک رہے گا۔

پاکستان میں کیونکہ ہمیں منافقت اور منافرت کی باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے۔ لہذا ہمارا پورا سماج، معاشرہ، حکومت، ریاستی ادارے دو عملی کا شکار ہیں۔ ہاں میں مذہبی حلقے کا ذکر کرنا فراموش کر گیا۔ وہ بھی بھر پور طور پر دوہری زندگی گزار رہے ہیں۔ تلقین سادگی کی، مگر لینڈ کروزر سے کم گاڑی پر سفر کرنا تو ہیں سمجھتے ہیں۔ سیاست دانوں کا ایک مخصوص طبقہ ووٹ حاصل کرنے کے لئے امریکہ کے متعلق ہر منقی بات کرنے کو فرض منصبی سمجھتا ہے۔ مگر امریکہ کی خوشنودی سے ہی حکومت میں آنا چاہتا ہے۔ عوام کی اکثریت کے لئے امریکہ کی شہریت ایک خواب کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہمارے سماجی اداروں کے نیک نام سربراہان، امریکہ جا کر چندہ اور خیرات اکٹھا کرنے میں کوئی شرمندگی محسوس نہیں کرتے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ایسا کیوں ہے۔ ہر ایک کو معلوم ہے کہ امریکہ اپنے

شہریوں کو دنیا کی بہترین مراعات فراہم کرتا ہے۔ وہاں کوئی طاقتور شخص، کسی کمزور کا حق نہیں مار سکتا۔ وہاں آپ کی زمین پر قبضہ نہیں کیا جاسکتا۔ وہاں دوائی اور کھانے کی اشیاء میں دونبھری نہیں ہے۔ اور وہاں وہاں انصاف فراہم کیا جاتا ہے۔ کوئی بھی طبقہ انصاف سے بالاتر نہیں ہے۔ ایک بات آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے سرکاری اداروں کے سینئر سطح کے لوگ ریٹائرمنٹ کے بعد امریکہ منتقل ہونا حدد رجہ صائب صحیح ہے۔ ریاستی اداروں کے افسر بھی مدت ملازمت پوری ہونے کے بعد امریکی شہریت بہرہ طور حاصل کرتے ہیں۔ اس کی منصوبہ بندی ریٹائرمنٹ سے کافی عرصہ پہلے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ ہمارے ممتاز ترین دانشوار جو ہر وقت پاکستان کے غم میں ہلاکا ہوئے جاتے ہیں۔ ان کی اکثریت اپنے ملک میں رہنا پسند نہیں کرتی۔ امریکہ میں رہ کر وہ ٹویٹر اور وات ایس ایپ پر پاکستان کو صحیح کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ فرض بھی خوب نبھاتے ہیں۔ مگر عجیب بات کہ حق بات کہنے کے لئے اپنے ملک کا چنانچہ نہیں فرماتے۔ کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ پاکستان میں بالائی طبقہ کے خلاف بات کرنے کی پاداش عبرت ناک ہے۔ اور یہاں انصاف لینا ناممکن ہے۔

ہمارے سیاسی میدان میں اس وقت ایک جماعت سازش کا لفظ بار بار استعمال کر رہی ہے۔ جلسوں میں خط لہرا کر با آواز بلند فرمایا جاتا ہے۔ کہ ہماری حکومت کو امریکی سازش کے تحت ختم کیا گیا ہے۔ معلوم نہیں چج کیا ہے۔ مگر کیا دنیا کا طاقتور ترین ملک، لکھ کر دوسرا ملک کی حکومت تبدیل کرنے کی دھمکی دے گا۔ کبھی امریکی اداروں نے اعلان کرنے کے بعد کسی بھی ملک کی حکومت کو تبدیل کیا ہے۔ اس کا جواب نفی میں ہے۔ چلے مان لیجئے کہ سازش ہوئی ہے تو پھر بھی استعمال تو پاکستان کی مقامی اعلیٰ قیادت ہی ہوئی ہے۔ یاد رکھیے۔ جب تک امریکی سینئر سفارت کار اوسن صرف انیس ہزار ڈالر کے بے جا سفر پر سزا پا سکتا ہے، امریکہ سپر پاور رہے گا۔ اپنے گریبان میں جھائکیے۔ آپ حکومتی اور ریاستی سطح پر عام لوگوں سے کیا سلوک کر رہے ہیں۔ آج بھی یہی عرض کروزگا کہ امریکہ کے ساتھ بہترین تعلقات قائم کرنے کی کوشش کر جئے۔ اسی میں ہمارا قومی مفاد ہے!